خلافت کے مسئلے میں جمہور کا مسلک

اُستاذ محمد ابو زہرہ
ترجمہ: محمد عبدالحق انصاری

(۲)

اس سلسلے میں دو سوالات اٹھتے ہیں جو غور طلب ہیں:

(۱) پہلا سوال یہ کہ صحابہ کے دور میں اہلِ شوریٰ کون تھے؟

(۲) دوسرا سوال یہ کہ اگر کوئی فرد بغیر شوریٰ کے امام بن جائے تو کیا اس کی اطاعت واجب ہوگی بشرطیکہ اسکو تائیدِ عام حاصل ہو جائے؟

پہلے سوال کے سلسلے میں ہمیں صحابہ کے عمل کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ جن لوگوں نے حضرت ابوبکر کو منتخب کیا وہ مدینہ کے رہنے والے تھے اور ان میں مہاجرین اور انصار دونوں تھے۔ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے بعد میں حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ سے بیعت کی تھی۔ مدینہ کو اس دور میں وہی مقام حاصل تھا جو پیریکلیس کے عہد میں ایتھنس کو حاصل تھا۔ مدینہ کے لوگ ہی خلیفہ کا انتخاب کرتے تھے۔ اس عمل کے جواز کے چند وجوہ ہیں۔ مثال کے طور پر مدینہ اسلام کا مرکز تھا، اس کے رہنے والے دعوتِ اسلامی کے علمبردار تھے۔ اس کے برخلاف عرب کے دوسرے شہروں اور علاقوں میں اسلام کو استحکام حاصل نہیں ہوا تھا۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ارتداد کی جو لہر اٹھی اس میں سارا عرب سوائے مدینہ اور مکہ کے مرتد ہو گیا۔ مسلمانوں کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ رسول اللہؐ کی وفات کے بعد خلیفہ کے انتخاب میں ان عربوں کو شریک کرتے جو اطاعت و ایمان کی خلاف ورزی کرنے اور اسلام کا قلادہ گردن سے نکال پھینکنے کی فکر میں لگے ہوئے تھے۔

حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے عہد میں عرب مختلف ملکوں میں جہاد کے سلسلے میں پھیل گئے

تھے۔ اور اس کے بعد کسی ایک ملک میں جمع نہ ہو سکتے تاکہ اس ملک کے افراد کو بیعت کا اہل قرار دیا جاتا اور ان کو خلیفہ کے انتخاب کا اختیار ہوتا۔ جب حضرت علی کا دور آیا تو عرب مختلف ملکوں میں بس چکے تھے۔ شام، بصرہ، کوفہ، مصر وغیرہ میں عربوں کی جماعتیں تھیں۔ لیکن جن لوگوں نے حضرت علیؓ کو منتخب کیا وہ مدینہ ہی کے افراد تھے۔ حضرت علیؓ نے امارت مجبوراً قبول کی، اور اس خیال سے کی کہ مسلمانوں کا اجتماعی شیرازہ منتشر نہ ہونے پائے۔ آپ نے اہلِ مدینہ ہی کے انتخاب کو کافی سمجھا۔ غالباً آپ نے یہ سوچا ہوگا کہ جو عرب مختلف ملکوں میں بس گئے ہیں وہ اہلِ ردّہ کے بقایا میں سے ہیں۔ مزید یہ کہ ان علاقوں میں اسلامی حکومت کی بنیادیں ابھی مستحکم نہ ہونے پائی تھیں۔ ان حالات میں یہ ممکن نہ تھا کہ انتخاب کا حق سب کو دے دیا جاتا جب کہ جاہلی عصبیت ان علاقوں میں سر اٹھانے لگی تھی۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ انتخابِ عام کے لیے ایک جامع نظام کی ضرورت تھی جس میں موالی[1] اور عرب دونوں شامل ہوں۔ اسلامی ممالک میں موالی کی بہت بڑی تعداد موجود تھی۔ اس لیے یہ ضروری تھا کہ جب اسلامی نظام مستحکم ہو جاتے اور بیعت مکمل ہو جائے، اور حالات بھی اطمینان بخش ہو جائیں تو انتخاب خلیفہ کے مسئلہ پر از سرِ نو غور کیا جائے تاکہ ہر معاملہ کو اس کے صحیح نصاب پر لوٹا دیا جائے۔

لیکن حضرت معاویہ نے امامِ ہدیٰ کو فرصت نہ دی کہ وہ اُس کام کی تکمیل کریں جس کی ابتدا ان سے پہلے ہو چکی تھی۔ یہی نہیں بلکہ حضرت معاویہ نے حضرت علی کی بیعت کی مخالفت کی اور مسلمانوں کے اچھے بھلے معاملہ کو بگاڑ دیا۔ انہوں نے حضرت علیؓ کی بیعت پر اتہام بھی لگایا۔ ان کو حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے افراد میں سے بعض کی تائید بھی حاصل ہو گئی جس کے بعد خلافت کا نظام بگڑ گیا۔

بعض عربوں کے ذہن میں اور بہت سی باتوں کی طرح یہ بات بھی غالباً کھٹکتی تھی کہ مشورے میں صرف اہلِ مدینہ کو کیوں شریک کیا گیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جو طریقہ

[1] اس زمانہ میں موالی کا لفظ ان غیر عرب لوگوں کے لیے استعمال ہوتا تھا جنہوں نے مفتوح ملکوں میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ (ادارہ)

اختیار کیا اُس وقت اس کے سوا کوئی دوسرا چارۂ کار نہ تھا۔ ایسی صورت میں جبکہ مدینہ چاروں طرف سے فتنہ جُو فوجوں کے نرغہ میں گھرا ہُوا تھا یہ بات کسی طرح قرینِ عقل نہ تھی کہ مصر و شام اور عراق و ایران میں جہاں جہاں عرب موجود تھے ان کو مشورہ میں شریک کیا جاتا۔ اگر بالفرض ایسا کیا بھی جاتا تو یہ کس طرح ممکن تھا کہ موالی کو اس حق سے محروم کر دیا جاتا جب کہ انتخاب کا حق عام ہو چکا تھا۔ لیکن جب ان ممالک کے عربوں کو بیعت میں شریک کر لیا گیا تو ان سے مشورہ کی ضرورت ان حالات میں باقی نہیں رہی تھی سوائے شام کے علاقہ کے (جس کے گورنر حضرت معاویہ تھے) سارے ہی علاقوں نے حضرت علیؓ کی بیعت کر لی تھی۔ حضرت معاویہ کو چاہیے تھا کہ وہ مصالح اسلامی کے پیشِ نظر اکثریت کی رائے اور حضرت علیؓ کے مقام کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیتے۔ اس وقت یقیناً حضرت علیؓ ہی مسلمانوں کے امام تھے۔ بالفاظِ دیگر وہی مردِ وقت تھے۔ لیکن بادشاہت کی خواہش، عربی عصبیت اور جاہلیت کا بغض غالب آیا۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بغیر مشورہ امام بن جاتے تو کیا اس کی اطاعت فرض ہوگی؟ اس مسئلہ میں جمہور کا خیال یہ ہے کہ اگر پہلے سے مسلمانوں کا کوئی امام نہ ہو اور کوئی ان کے نظمِ حکومت پر غالب آجائے تو وہ امام تسلیم کر لیا جائے گا بشرطیکہ اس میں امانت کے اوصاف ہوں اور وہ لوگوں کے درمیان عدل قائم کرے اور لوگ بھی اس سے راضی ہوں اور اس کی بیعت کر لیں۔ کتاب المدارک میں بروایت ابن نافع امام مالک کی یہ رائے درج ہے کہ اگر اہلِ حرمین بیعت کر لیں تو مسلمانوں کے لیے بیعت لازم ہو جاتی ہے۔ امام مالکؒ کا یہ قول اہلِ انتخاب کے بارے میں ان کی رائے کی نشاندہی بھی کرتا ہے۔ وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو اپنے دور کا مثالی انسان سمجھتے تھے۔ اگرچہ ان کو شوریٰ کے طریقہ پر منتخب نہیں کیا گیا تھا، لیکن انتخاب کے بعد انہوں نے عدل قائم کیا، مظلوموں کے حقوق انہیں واپس دلوائے اور وہ یقیناً خلیفۂ برحق تھے۔ امام مالک کے نزدیک بیعت سے پہلے آزادانہ انتخاب کوئی شرط نہیں ہے بلکہ وہ بیعت ہی کو شرط تسلیم نہیں کرتے۔ ان کے خیال میں لوگوں کی رضامندی اور اقامتِ حق خلافت کے لیے کافی ہے۔

امام شافعیؒ کا بھی یہی خیال تھا۔ وہ رضائے لاحق[1] کو کافی سمجھتے تھے۔ ان سے ان کے شاگرد حرملہ نے روایت کی ہے کہ ہر قرشی جو خلافت پر تلوار کے زور سے غالب آجائے اور اسے لوگوں کی تائید حاصل ہو جائے وہ قانوناً خلیفہ ہے۔ چنانچہ شوافع کے نزدیک قرشیت اور عدالت اور رضاء عام ہی کو خلافت میں اصل اہمیت حاصل ہے۔ خواہ رضاء بیعت سے پہلے ہو یا بعد میں۔

امام احمد نے ایک خط میں اس رائے کی تصریح کی ہے۔ وہ کہتے ہیں: "جسے خلیفہ بنایا گیا اور لوگ اس پر متفق اور اس سے راضی ہو گئے وہ خلیفہ ہے۔ اور جو ان پر تلوار کے زور سے غالب ہو گیا اور خلیفہ بن بیٹھا وہ بھی خلیفہ ہے۔ ہر امیر کے ساتھ جہاد قیامت تک ہو سکتا ہے خواہ وہ صالح ہو یا فاجر۔"

امام احمد کا یہ بھی قول ہے کہ "جو مسلمانوں کے امام کے خلاف بغاوت کرے درآنحالیکہ لوگ اس پر متفق ہو چکے ہوں اور اس کی خلافت تسلیم کر چکے ہوں، خواہ خوشی کے ساتھ یا بالجبر، تو اس باغی نے جماعت کا شیرازہ منتشر کیا اور ارشاد نبوی کی مخالفت کی۔ اگر باغی اسی حال میں مر جائے تو جاہلیت کی موت مرے گا۔"[2]

یہ ہے جمہور فقہاء کا خیال۔ ان کی نظر میں متغلب کی خلافت خلافتِ نبوی ہوتی ہے اگر امامت کی دوسری شرطیں اس میں پوری ہوتی ہوں۔ اور ان شرطوں میں سب سے زیادہ اہم عدالت ہے۔ مگر ضروری ہے کہ عدالت کے ساتھ دو اور شرطیں بھی پوری ہوں جنہیں ائمہ کرام نے متغلب کی امامت کو جائز قرار دینے میں یقیناً ملحوظ رکھا ہو گا بشرطیکہ اسے بعد کو عوام کی رضا حاصل ہو جائے۔

پہلی شرط یہ ہے کہ کوئی دوسرا امام موجود نہ ہو، کیونکہ اگر پہلے سے ایک امام عادل موجود ہے جسے عوام کی رضا حاصل ہے تو دوسرا باغی قرار دیا جائے گا اور اس سے جنگ ضروری ہو گی، بلکہ اس کا

---

[1] رضائے لاحق سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص پہلے برسر اقتدار آجائے اور بعد میں لوگ اس کی حکومت سے راضی ہو جائیں۔

[2] المناقب لابن الجوزی ص ۱۷۶

قتل واجب ہوگا، جیسا کہ ارشاد نبوی ہے

من جاءکم وامرکم علیٰ رجلٍ واحدٍ فاقتلوہ۔

اگر کوئی تمہارے پاس (اپنی خلافت کا دعویٰ لیکر) آئے درآنحالیکہ تمہارے نظم کا ایک ذمہ دار پہلے سے موجود ہے تو اس کو قتل کردو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ انتخاب واختیار کا موقع نہ ہو اور حالات ایسے ہوں کہ فوری طور پر فیصلہ کرنا ضروری ہو مثلاً یہ کہ امام جنگ میں مارا جائے اور فوری انتخاب ممکن نہ ہو۔

لیکن اگر ایسے حالات نہ ہوں جن میں شوریٰ اور استصواب رائے کے بغیر ہی انتخاب جائز ہوجاتا ہے، تو جو شخص بھی غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرے گا وہ اسلام کے اصولِ عدل سے تجاوز کرنے کا گنہ گار ہوگا۔ اگر بغیر ضرورت ہر شخص کے لیے زبردستی مسلط ہوجانے کا دروازہ کھول دیا جائے تو شوریٰ کی عمارت منہدم ہوجائے گی، نظامِ خلافت حکام کے باہمی تنازع اور کشمکش کا شکار بن کررہ جائے گا، اور مسلمانوں کی حالت درہم برہم ہوجائے گی جیسا کہ ماضی میں ہوچکا ہے۔

۴ - عدالت

خلافتِ نبوی کے لیے چوتھی شرط عدالت ہے اور یہ خلافت کا جوہر اور مغز ہے۔ "امام اعظم" جس عدالت کے لیے مسئول ہے وہ عدالت کی ساری قسموں پر حاوی ہے۔ مثال کے طور پر اسے اپنی ذات کے بارے میں عادل ہونا چاہیے۔ رشتے کو حق پر ترجیح نہ دینا چاہیے۔ نہ کسی فرد کو بے وجہ مقدم کرنا چاہیے۔ جو اسے محبوب ہو اس کی بے وجہ طرفداری نہ کرنی چاہیے اور جو اسے ناپسند ہو اسے بے وجہ دور نہ ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاۗءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ

اے ایمان والو! انصاف پر اچھی طرح قائم رہنے والے اور اللہ کے لیے گواہی دینے والے رہو اگرچہ اس کی زد اپنی ذات پر یا والدین اور اقرباء پر ہی

فَقِيرًا فَاللّٰهُ أَوْلٰى بِهِمَا، فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰى أَنْ تَعْدِلُوا وَإِنْ تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا۔ (النساء)

کیوں نہ پڑتی ہو۔ خواہ وہ امیر ہوں یا غریب اللہ تعالیٰ کو ان کے ساتھ زیادہ تعلق ہے۔ سو تم خواہش نفس کی پیروی نہ کرو کہ حق کی راہ سے ہٹ جاؤ، اور اگر تم کج بیانی کرو گے یا پہلو تہی کرو گے تو بلاشبہ اللہ کو تمہارے اعمال کی پوری خبر ہے۔

امام کی عدالت اس پر یہ بھی واجب کرتی ہے کہ وہ مناصب اور عہدے ان لوگوں کو سپرد کرے جو اس کے اہل ہوں اور عدل و رفق کے حامل ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے والیوں کے انتخاب میں بڑے سخت الفاظ فرماتے ہیں:

من ولی من امر امتی شیئًا فامّر احدًا محاباۃ فعلیہ لعنۃ اللّٰہ والملئکۃ والناس اجمعین، لا یقبل اللّٰہ منہ صرفًا ولا عدلًا۔

جو میری امت کے کسی معاملہ کا والی ہوا اور کسی کو انصاف کے تقاضے کے خلاف کسی کام پر ذمہ دار بنائے تو ایسے شخص پر اللہ، فرشتوں اور انسانوں کی لعنت ہوگی، اللہ تعالیٰ اس سے کوئی معاوضہ یا بدلہ قبول نہ کرے گا۔

ایک اور جگہ فرمایا:

من استعمل رجلا علی عصابۃ وفیہم من ھو ارضی للّٰہ فقد خان اللّٰہ ورسولہ والمومنین۔

جو شخص کسی کو ایک جماعت پر عامل بنا دے، درآنحالیکہ اس گروہ میں اس سے زیادہ اللہ کو پسند لوگ موجود ہوں تو اس نے اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کی خیانت کی۔

امام کی عدالت کا یہ بھی تقاضا ہے کہ وہ دشمنوں سے بھی عدل کا سلوک کرے۔ اسلامی عدالت عام ہے، کسی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ اس کی نظر میں دوست و دشمن سب یکساں ہیں۔ فرمانِ الٰہی ہے:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۚ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى

اور کسی خاص گروہ کی عداوت تم کو اس پر نہ اُبھارے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کرو کہ وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔

اسلامی عدالت قانونی عدالت پر بھی حاوی ہے جس کے مطابق اسلامی احکام سب پر نافذ ہونے ہیں حتیٰ کہ "امام اعظم" بھی ان سے مستثنیٰ نہیں ہوتا۔ فقہاء اسلام کی متفقہ رائے ہے کہ اگر خلیفہ کسی جُرم کا ارتکاب کرے تو اس کو بھی سزا دی جائے گی، اور اگر وہ کسی قابلِ حد فعل کا مرتکب ہو تو اس پر دوسروں کی طرح حد جاری کی جائے گی۔ اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ خلیفہ سے یا جو بھی والی ہو اس سے اگر کوئی جرم سرزد ہو جائے جس میں حد ہو یا قصاص لازم آتا ہو تو حد یا قصاص (جیسی بھی صورت ہو) اس پر نافذ ہو گا۔ اس بات پر اجماع ہے۔

اسلامی عدالت اجتماعی عدل پر بھی حاوی ہے جس کے مطابق اجتماعی تکافُل اور اقتصادی عدل کی تنظیم ہوتی ہے اور جس کے تحت ہر اہل آدمی کو کام ملتا ہے اور ہر شخص کو یکساں فرصت ملتی ہے۔ انہیں وجوہ کی بنا پر حضرت عمرؓ نے عراق، مصر اور شام کی زمینوں کو فاتحین کی ملکیت میں دینے سے احتراز کیا تاکہ یہ زمینیں صرف اغنیاء کے لیے ہی مخصوص نہ ہو جائیں۔ امام مالکؒ کا خیال ہے کہ معادن (کانیں) ریاست کی مِلک ہوتی ہیں، اور کسی دوسرے کی مِلک نہیں ہو سکتیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حضرت حسن بصریؒ سے امام عادل کی تعریف پوچھی۔ جواب میں حضرت حسن نے انہیں لکھا:

"اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے امام عادل کو ہر کجی کو سیدھا کرنے والا، ہر ظالم کو راہِ راست پر لانے والا، ہر فساد کی اصلاح کرنے والا، ہر کمزور کی قوت، ہر مظلوم کا دادرس اور ہر مصیبت کا ملجأ بنایا ہے۔ اے امیر المومنین! امام عادل شفیق و ہمدرد راعی کے مثل ہے جو اپنے اونٹوں کو اچھی چراگاہ دیتا ہے۔ اور خراب جھاڑیوں سے دُور رکھتا ہے۔ جو انہیں درندوں سے محفوظ رکھتا ہے اور گرمی اور جاڑے کی تکلیف سے بچاتا ہے۔ اے

امیرالمومنین! امام عادل اس باپ کے مانند ہے جو اپنی اولاد سے بے حد محبت کرتا ہے جب وہ بچے ہوتے ہیں تو ان کی ہر ضرورت پوری کرتا ہے اور جب وہ بڑے ہوتے ہیں تو ان کو اچھی تعلیم و تربیت دیتا ہے۔ اپنی زندگی میں ان کے لیے کماتا ہے اور اپنی موت پر ان کے لیے ترکہ چھوڑ جاتا ہے۔ اے امیرالمومنین! امام عادل کی مثال اس محسن ماں کی ہے جو حمل اور زچگی کی ہر تکلیف اٹھاتی ہے، اپنے بچے کی بہترین پرورش کرتی ہے، اس کی راحت سے اسے راحت حاصل ہوتی ہے۔ دودھ پلانے کے وقت، اسے دودھ پلاتی ہے، اور جب دودھ چھڑانے کا وقت آتا ہے تو دودھ چھڑاتی ہے۔ اس کے آرام سے خوش اور اس کی تکلیف سے بے چین ہوتی ہے۔ اے امیرالمومنین! امام عادل یتیموں کا والی، غریبوں کا خازن، بچوں کا مربی اور بڑوں کا کفیل ہوتا ہے اے امیرالمومنین! امام عادل جسم میں قلب کی حیثیت رکھتا ہے، اس کی بہتری سے سارے اعضاء بہتر ہوتے ہیں اور اس کے بگاڑ سے سارے اعضاء بگڑ جاتے ہیں۔ اے امیرالمومنین! امام عادل اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان کھڑا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بھی سنتا ہے اور بندوں کی بھی۔ اس کی طرف بھی دیکھتا ہے اور ان کی طرف بھی۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے اور بندوں کی رہنمائی کرتا ہے۔ اے امیرالمومنین! اس غلام کی مثل نہ بنیے جس کے مالک نے اس کے پاس امانت رکھی ہو، اپنے مال و عیال کا اس کو نگران مقرر کیا ہو، مگر وہ مال خرچ کر ڈالے اور لٹا دے اور عیال کو مفلس بنا دے اور بھگا دے۔ اے امیرالمومنین! یاد رکھیے کہ اللہ تعالیٰ نے حدود مقرر کیے ہیں تاکہ فواحش و خبائث سے لوگوں کو محفوظ رکھے۔ سوچیے کہ اس شخص کا کیا حال ہوگا جسے ان حدود کا محافظ مقرر کیا گیا اور وہی ان کا توڑنے والا بن گیا۔ اللہ تعالیٰ نے قصاص کا قانون بنایا ہے تاکہ بندوں کی زندگی محفوظ رہے۔ کیا انجام ہوگا اس کا جسے قصاص لینے پر مامور کیا گیا ہو اور وہی خون بہانے لگے۔ اے امیرالمومنین! یاد کیجیے موت کو اور جو کچھ موت

کے بعد پیش آنے والا ہے۔ خوب جان لیجیے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس آپ کا کوئی حامی اور ناصر نہ ہوگا۔ اس دن کے لیے اور اس کے بعد آنے والے فزع اکبر کے لیے تیاری کیجیے۔ اے امیرالمومنین! یہ بھی یاد رہے کہ جس مکان میں آپ ہیں اس کے علاوہ بھی آپ کے لیے ایک مکان ہے جس میں آپ کا قیام طویل مدت تک رہے گا۔ وہاں آپ کا کوئی دوست نہ ہوگا۔ لوگ آپ کو ایک گڑھے میں اتار کر تنہا چھوڑ دیں گے۔ اس دن کے لیے آپ کو کچھ سامان کر لینا چاہیے جو آپ کے کام آئے۔ "یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِیْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ" وہ دن کیسا ہوگا جس دن انسان اپنے بھائی، ماں، باپ، بیوی اور بچوں سے دور بھاگتا پھرے گا۔" اے امیرالمومنین! یاد رکھیے کہ جب قبریں کھول دی جائیں گی اور سینوں کے راز فاش ہو جائیں گے تو ہر چھپی بات مکمل جائے گی، نوشتۂ اعمال سامنے ہوگا جس میں چھوٹی بڑی ہر چیز موجود ہوگی۔ اے امیرالمومنین! اس وقت جبکہ آپ کو مہلت ملی ہے اور وقتِ مقرر آیا نہیں ہے اور امیدیں ابھی منقطع نہیں ہوتی ہیں، جاہلوں جیسا مت سوچیے اور اپنی رعایا کے ساتھ ظالموں جیسا سلوک مت کیجیے۔ کمزوروں پر مغروروں کو مسلط نہ کیجیے جو کسی مومن کے ساتھ قرابت کا خیال رکھتے ہیں اور نہ کسی عہد کا پاس کرتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کو اپنے بوجھ کے ساتھ دوسروں کا بوجھ بھی اٹھانا پڑے اور اپنے گناہوں کے ساتھ دوسروں کے گناہوں کی سزا بھی بھگتنی پڑے۔ ایسا نہ ہو کہ مال والے آپ کی توجہ اُن باتوں سے پھیر دیں جن کے نظر انداز کرنے میں آپ کا گھاٹا ہے۔ وہ تو دنیا میں مزے کریں گے اور آپ اس کے نتیجہ میں آخرت کی لذتوں سے محروم ہو جائیں گے۔ آپ کو جو اقتدار اس وقت ملا ہے اس پر نظر نہ ڈالیے، بلکہ اس بے لبی پر نظر رکھیے جب کہ آپ موت کے شکنجے میں گرفتار ہوں گے، اور اس وقت کو تصور میں لائیے جب آپ خدا، فرشتوں اور رسولوں کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے، جب کہ سارے سر اُس حی و قیوم ذات کے

سامنے جھکے ہوں گے۔ اے امیرالمومنین! اگرچہ میں اس جیسی نصیحت کرنے سے قاصر ہوں جو میرے پیش رووں کا حصہ تھی، مگر میں نے ہمدردی اور خیر خواہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے۔ آپ اس خط کو ایک دوست کی طرف سے پیش کردہ دوا سمجھیے جو اگرچہ کڑوی ہے لیکن عافیت اور صحت کے خیال سے پیش کی گئی ہے۔ والسلام علیک یا امیرالمومنین ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔"

ایک بزرگ اور خدا ترس تابعی نے اس خط میں امامِ عادل کے جو اوصاف بیان کیے ہیں اس سے ہم عدلِ عام کا مفہوم بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ عدلِ عام قانونی عدل پر حاوی ہے جو حاکم کو قرآن و سنت کے احکام کے سامنے جھکا دیتا ہے۔ اگر وہ کسی جرم کا ارتکاب کرے تو اسے معاف نہ کیا جائے گا اور اگر کسی پر زیادتی کرے تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ اس پر جمہور فقہاء متفق ہیں۔ اسی طرح عدلِ عام اجتماعی عدل پر بھی حاوی ہے جس سے تکافلِ اجتماعی کا نظام قائم ہوتا ہے۔ ادارتی عدل بھی عدلِ عام میں داخل ہے جس کے مطابق ہر والی اور افسر عدل کا پابند ہوتا ہے۔ وہ نہ کسی سر کو اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کر سکتا ہے اور نہ کسی مسلمان کو ذلیل کر سکتا ہے۔ اس خط سے اس امر کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے کہ ریاست کی آمدنی میں تصرف امانت سمجھ کر کرنا چاہیے۔ اس میں امام عادل کی یہ اور اس طرح کی دوسری صفات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

جب حاکم ان شرطوں کو پورا نہ کرے

جب حاکم ان شرطوں کو پورا نہ کرے، مثلاً یہ کہ بغیر مسلمانوں کی رضاء کے والی بن بیٹھے، خواہ رضاء کا جو بھی تصور ہو والی بننے سے پہلے جو اصل رضا ہے، یا والی بننے کے بعد جیسا کہ ائمہ ثلاثہ، مالک، شافعی اور احمد کا خیال ہے، یا قرشی نہ ہو جسے جمہور ضروری قرار دیتے ہیں، یا بیعت آزادانہ نہ ہوئی ہو، یا عدالت کا التزام نہ کرے۔ ان ساری صورتوں میں فقہاء کا اتفاق ہے

کہ اس کی ولایت خلافت نبوی تسلیم نہیں کی جائے گی بلکہ دنیا دار بادشاہت قرار پاتے گی۔ اسی بنا پر یزید بن معاویہ کی حکومت کو بادشاہت کہا گیا ہے نہ کہ خلافت۔ اس باب میں ابن تیمیہؒ کا قول ہے: "اہل سنت کا خیال ہے کہ بنی امیہ کے دوسرے افراد کی طرح یزید بھی مسلمانوں کا بادشاہ اور صاحب سیف تھا۔" ابن تیمیہ مزید کہتے ہیں: "یزید کی حکومت بادشاہت تھی اور اس کی حالت مسلمانوں کے ان بادشاہوں کی جیسی تھی جو کسی ملک کے مالک ہوتے ہیں۔"

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان بادشاہوں کی اطاعت واجب ہے یا نہیں؟

اگر ایسا امام موجود ہو جس میں ولایت کی ساری شرطیں پوری ہوتی ہوں اور اس کے ساتھ عوام کی بہت بڑی جماعت ہو جنہوں نے اس کے ہاتھ پر آزادانہ بیعت کی ہو۔ تو اس کی اطاعت واجب ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں، اور وہ یقیناً خلیفہ ہے۔ اس کی موجودگی میں کوئی دوسرا اگر حکومت پر قابض ہو جاتے اور اسے قیصر و کسریٰ کی بادشاہت میں تبدیل کرنا چاہے تو اس کا قتل واجب ہوگا، یا اس کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی جائے گی۔ اس کے خلاف امام عادل کی مدد واجب ہوگی۔ قرآن مجید کی اس آیت کی روشنی میں:

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ۔ (حجرات)

اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان اصلاح کرو پھر اگر ان میں کا ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع کرے۔ پھر جب رجوع کرے تو ان دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ اصلاح کرو اور انصاف کا خیال رکھو بے شک اللہ انصاف والوں کو پسند کرتا ہے۔

اگر حاکم عادل نہ ہو یا اس کی بیعت خوشی سے یا جبراً اسی صورت میں مکمل نہ ہوئی ہو مگر

وہ بادشاہ بن چکا ہو اور اس کی حکومت قائم ہو گئی ہو، تو اس بادشاہ کی اطاعت واجب ہو گی اگرچہ اس میں خلافت کی ساری شرطیں پوری نہ ہوتی ہوں۔ حضرت حسن بصری کے نزدیک "بنو امیہ" کے بادشاہوں کی اطاعت واجب تھی کیونکہ وہ کہا کرتے تھے کہ "بنو امیہ ہمارے پانچ کام انجام دیتے ہیں، جمعہ، جماعت، فئ، سرحدوں کی حفاظت اور حدود کا قیام۔ ان کاموں کے بغیر دین قائم نہیں ہوتا۔ اگرچہ وہ ظلم و جور کرتے ہیں لیکن خدا کی قسم! جو خیر کا کام اللہ تعالیٰ کی توفیق سے وہ انجام دیتے ہیں وہ ان کے شر کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے"۔ حضرت حسن یہ بھی کہتے تھے "اگرچہ ان بادشاہوں کی سواریاں بڑی شاندار ہیں اور ان کے ساتھ بڑا لاؤ لشکر ہوتا ہے اور ان کے جوتے لوگوں کی گردنوں کو روندتے ہیں اور معصیت کی ذلت ان کے قلوب میں ہوتی ہے۔ مگر حق ہمیں ان کی اطاعت پر مجبور کرتا ہے اور ان کے خلاف بغاوت سے روکتا ہے۔ اور توبہ اور دعا سے ان کی مضرت کو دفع کرنے کا حکم دیتا ہے"۔

مؤطا کی شرح میں ہے کہ امام مالک اور جمہور اہل سنت کی رائے ہے کہ اگر امام ظلم کرے تو بھی اس کی اطاعت اس کے خلاف بغاوت سے بہتر ہے۔ مؤطا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ایک بیعت کا ذکر آتا ہے جس میں یہ جملہ ہے "والا ننازع الامر اھلہ" "کسی منصب کے لیے جو اہل ہو گا ہم اس کی مخالفت نہ کریں گے"۔ اس کی شرح میں یہ عبارت ہے:

"ابن عبدالبر نے فرمایا: "اہل" کے معنی میں اختلاف ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ اس سے مراد اہل عدل و احسان اور اہل فضل و دین ہیں۔ ایسے لوگوں کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اہل سے مراد یہی لوگ ہیں۔ اہل فسق و ظلم اس سے ہرگز مراد نہیں ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پیش نظر نہیں ہے "لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ"۔ معتزلہ اور خوارج اہل ظلم و جور کی مخالفت کو صحیح سمجھتے ہیں۔ مگر اہل سنت کا خیال ہے کہ بہتر تو یہ ہے کہ امام فاضل و عادل اور نیکوکار ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو ظالم کی اطاعت پر صبر کرنا اس کے خلاف بغاوت سے بہتر ہے۔ اس لیے کہ بغاوت کے معنی ہیں کہ امن کے بجائے خوف کا دور دورہ ہو، خون بہے، جنگ ہو اور فساد

پھیل جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ صورتِ حال ظلم و فسق پر صبر سے زیادہ بری ہے۔ اسی رائے کو عقل و دین کی تائید حاصل ہے۔ اصول یہ ہے کہ دو برائیوں میں سے جو بڑی برائی ہو اسے کم تر کے مقابلہ میں چھوڑ دینا چاہیے۔[1]"

امام احمد نے ظلم کے مقابلہ میں صبر کرنے کو واجب قرار دیا ہے اور بغاوت اور سازش سے منع کیا ہے۔ ان سے مروی ہے کہ "سلطان کے جھنڈے تلے خواہ وہ عدل کرے یا ظلم، صبر ہی اختیار کرنا چاہیے۔ امراء کے خلاف تلوار نہیں نکالنی چاہیے خواہ وہ ظلم ہی کیوں نہ کریں۔[2]"

ائمۂ اہلِ سنت، مالک، شافعی اور احمد کا یہی خیال ہے اور یہ خیال بہت مشہور ہے۔ لیکن ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ اگر خلیفہ کا انتخاب یہ سوچ کر ہوا کہ وہ عادل ہے اور انتخاب بھی مسلمانوں سے استصواب کے بعد ہوا لیکن بعد میں یہ معلوم ہوا کہ وہ فاسق ہے تو اس کی اطاعت کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک خیال یہ ہے کہ اس کی اطاعت واجب ہے اور واجب رہے گی کیونکہ اس کی بیعت کا قلادہ گردنوں میں پڑا ہے اور یہی جمہور کے نزدیک راجح ہے۔ دوسرا خیال یہ ہے کہ اس کی بیعت کالعدم ہے اور اس کی اطاعت واجب نہیں ہے۔ یہ بعض لوگوں کی رائے ہے۔ مگر وہ جس کا آزادانہ انتخاب نہیں ہوا اور نہ اس کی بیعت آزادانہ ہوئی، اس کے بارے میں تین رائیں ہیں:

پہلی رائے یہ ہے کہ ایسے شخص کے سارے احکام قابلِ ردّ ہیں۔ معصیت اور غیر معصیت کسی میں بھی اس کی اطاعت نہ کی جائے گی، کیونکہ اس کا حکمراں ہونا بجائے خود ظلم ہے۔ چونکہ اس کی بیعت مکمل نہیں ہوئی ہے اس لیے اس کی اطاعت خواہ وہ عادل ہی کیوں نہ ہو، ظلم کی تائید ہوگی۔ یہ رائے خوارج کی رائے کے مشابہ ہے۔ اہلِ سنت نے اس کو ترجیح نہیں دی ہے اگرچہ بعض اہلِ سنت اس رائے کے حامی ہیں۔

---

[1] شرح المؤطا للزرقانی ج ۲ صفحہ ۲۹۲

[2] المناقب لابن الجوزی ص ۱۷۶

دوسری رائے پہلی سے بہتر ہے اور یہی اکثریت کی رائے ہے۔ یعنی یہ کہ حق بات میں اس کی اطاعت کی جائیگی اور باطل میں نہ کی جائے گی، اس حدیث کی روشنی میں کہ: لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔ مخالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔

تیسرا خیال یہ ہے کہ جو شخص انتخاب کے بغیر امامتِ عظمیٰ کا والی بن جائے تو اس کی حق میں اطاعت کی جائے گی۔ لیکن اگر وہ امامتِ عظمیٰ کے علاوہ کسی اور کام کا ذمہ دار ہوگا تو اس کے احکام رد کر دیئے جائیں گے خواہ وہ حق ہوں یا ناحق۔ امامتِ عظمیٰ اور دوسرے عہدوں میں اس فرق کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ پہلی صورت میں کوئی تبدیلی بغیر فتنہ کے پُرسکون طریقہ سے نہیں ہو سکتی۔ اور فتنہ کے ساتھ انارکی پھیل جاتی ہے۔ اور انارکی کی ایک گھڑی میں جو ظلم و ستم ہوتا ہے وہ سالوں کے استبداد میں نہیں ہوتا۔ بخلاف اس کے چھوٹے والیوں کی تبدیلی بغیر فتنہ و فساد کے بھی ہو سکتی ہے خصوصاً اس صورت میں جبکہ امام کی مدد حاصل ہو۔[1]

ان تینوں میں سے ابن تیمیہؒ نے بیچ والی راہ اختیار کی ہے۔ یعنی یہ کہ عدل کی صورت میں اطاعت واجب ہوگی اور ظلم کی صورت میں نافرمانی۔ مگر اس بات پر تو ساری امت ہی متفق ہے کہ معصیت میں اطاعت جائز نہیں ہوتی۔ اختلاف صرف حق اور عدل کی صورت میں اطاعت کے بارے میں ہے۔

اس پوری بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خلافتِ نبوی میں مطلق اطاعت واجب ہے۔ یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ خلافتِ نبوی کا حامل اگر فسق کا ارتکاب کرے تو اس کی خلافت خلافتِ نبوی باقی نہیں رہتی، بلکہ جابرانہ بادشاہت (ملک عضوض) بن جاتی ہے۔ اس کی حیثیت اس امام کی ہو جاتی ہے جو منتخب نہیں کیا گیا۔ جمہور اس کے بارے میں تین باتوں پر متفق ہیں:

(۱) اس کے خلاف بغاوت نہ کی جائے گی کہ کہیں ایسا فتنہ نہ برپا ہو جس میں حق ضائع

---

[1] منہاج السنہ ج ۲ ص ۷۶، ۸۷

ہو جائے اور حرص و ہوا کا غلبہ ہو اور نفس کی پرستش شروع ہو جائے۔

(۲) اس کی معصیت میں ہرگز اطاعت نہ کی جائے گی۔ فرمانِ نبوی ہے: مسلمان کو ہر چیز میں سمع و اطاعت کا رویہ اختیار کرنا چاہیے خواہ اسے پسند آئے یا نہ آئے مگر جب اسے معصیت کا حکم دیا جائے تو پھر نہ سنے اور نہ مانے۔

(۳) ظالم حاکم کے سامنے کلمۂ حق کا کہنا واجب ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دین خیر خواہی کا نام ہے۔ پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول کس کی خیر خواہی؟ فرمایا: اللہ کی، اس کے رسول کی اور ائمۂ مسلمین کی۔ آپ نے ایک جگہ یہ بھی فرمایا ہے: بہترین جہاد یہ ہے کہ ظالم بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہا جائے۔

اور اگر حق بات برملا کہہ نہ سکے تو ظلم کو دل سے بُرا سمجھے اور یہ سب سے کمزور حالت ہے ایمان کی۔ حضرت ام سلمہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سیکون امراء فتعرفون وتنکرون فمن کرہ برئ ومن انکر سلم ولکن من رضی وتابع قالوا افلا نقاتلھم یا رسول اللہ؟ قال: لا ما صلوا

ایک زمانہ میں تمہارے امراء ایسے ہوں گے جو اچھی چیزیں بھی کریں گے اور بری بھی۔ جس نے ان کے برے کاموں کو ناپسند کیا وہ بری ہو گیا، اور جس نے ان پر نکیر کی وہ محفوظ رہا، لیکن جس نے انہیں پسند کیا اور ان کی اتباع کی (اس کا انجام انہیں کے ساتھ ہوگا)۔ لوگوں نے پوچھا اے اللہ کے رسول کیا ہم ان سے جنگ نہ کریں۔ فرمایا نہیں! اس وقت تک جنگ نہ کرو جبتک وہ نماز ادا کریں۔

صحیحین میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انکم سترون بعدی اثرۃ، وامورا تنکرونھا قالوا فما تامرنا یا رسول اللہ؟

تم میرے بعد دیکھو گے کہ تمہاری حق تلفی ہو گی اور دوسروں کو تم پر ترجیح دی جائیگی، اور بہت سی

قال: تؤدون الحق الذی علیکم و تسألون اللہ الذی لکم۔

چیزیں اور بھی دیکھو گے جو تمہیں پسند نہ آئیں گی لوگوں نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا تم کو وہ حقوق ادا کرنے چاہییں جو تم پر واجب ہیں، اور تمہارے جو حقوق دوسروں پر ہیں ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے۔

ایک اور جگہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من ولی علیہ وال فرأہ یاتی شیئًا من معصیۃ اللہ فلیکرہ ما یأتی من معصیۃ ولا ینزعن یدا عن طاعۃ...

اگر کوئی اپنے والی کو کسی معصیت کا ارتکاب کرتے دیکھے تو اس کے فعل کو برا سمجھے مگر اس کی اطاعت سے منہ نہ موڑے۔

اللہ تعالیٰ حاکم اور رعیت دونوں کی اصلاح فرماتے۔ دین قائم کرے اور مسلمانوں کے معاملات صالح اور قوی افراد کے سپرد کرے اور ہمیں راست رو و رہنما بخشے۔

ضروری اعلان

خط و کتابت کرتے وقت بعض حضرات اپنے خریداری نمبر کا حوالہ نہیں دیتے جس سے دفتر کو تعمیل میں دقت ہوتی ہے اس لیے خریداران سے التماس ہے کہ وہ اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں۔ ورنہ عدم تعمیل کی شکایت کا دفتر ذمہ دار نہ ہوگا۔

مینجر ترجمان القرآن